# سہیل احمد خان کی شعری علامتیں

ڈاکٹر سمیرا مختار

**Abstract:**

Sohail Ahmed Khan is a prominent poet of Modern Urdu Literature. He is versatile and symbolic treatment of his poetry if we go through his poetry we find him a poet with a great symbolic vision. The article is a study of literary symbols of Sohail Ahmed Khan's poetry.

سہیل احمد خان کا شمار عہد جدید کے اہم نظم گو شعرا میں ہوتا ہے ان کے شعری مجموعے ''ایک موسم کے پرندے'' اور ''راہ کی نشانیاں'' کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔ سہیل احمد خان کا شعری سرمایہ قلیل ہونے کے باوجود اپنے منفرد اسلوب کی بنا پر اہمیت کا حامل ہے۔ ان کی نظموں میں فطرت کے استعارے اور علامتیں جا بجا ملتی ہیں ان کی نظموں میں ''پرندہ'' ایک مرکزی علامت ہے چناں چہ ان کے پہلے شعری مجموعے کا عنوان ہی ''ایک موسم کے پرندے ہے اس کے علاوہ ان کی شعری علامتوں میں 'تالاب' 'ہنس'، 'سمندر'، 'جہاز' 'گلاب' 'کبوتر' 'آندھی' 'ہوا' 'خاص' اہمیت کی حامل ہیں۔

سہیل احمد خان کے پہلے شعری مجموعے ''ایک موسم کے پرندے'' میں پرندہ، ایک کلیدی علامت ہے اس علامت سے کئی دوسرے علامتیں جڑی ہیں مثلاً 'تالاب' 'سمندر' 'درخت' وغیرہ یہ پرندے جو گزرے زمانے کے ساتھ آنے والے زبانوں کی نوید بھی دیتے ہیں۔ نظم ''سمندر کے پیچھے سمندر'' میں سمندر، پرندے، کی علامتیں گہری معنوبت کی حامل ہیں۔

سمندر کے پیچھے سمندر
ہواؤں کے پیچھے ہوائیں
مسافت کے پیچھے مسافت
فلک سے اُمڈتی ہوئی بارشوں کے پرے بارشیں ہیں
مناظر کے پیچھے مناظر

سمندر زمانوں کی سب دوریوں کا بسیرا
کنارے پہ دو پل کی اک روشنی سی
اور آگے اندھیرا
کناروں سے آگے
بپھرتی ہوئی دوریوں کے پرے دوریاں
اور پانی کے آگے بھی پانی
سمندر کی ساری کہانی
وہی اک تسلسل کا دھارا
وہی جھاگ، آبی پرندے ہواؤں کے طوفاں
وہی دور کا ایک سفر ہے
کہیں آنے والے زمانوں کے نا دیدہ منظر
کہیں پر کھلے پانیوں کی مسافت میں قزاق صدیوں کا ڈر ہے۔
وہی آگے بڑھنے کا اک شوق جو ہمسفر ہے (۱)

یہاں سمندر، زندگی کی علامت ہے۔ پانی رواں دواں ہے جسے زندگی کا سفر جاری و ساری ہے۔ وقت زندگی کے دھارے کو بہائے لیے جاتا ہے۔ کنارے پہ دو پل کی روشنی، زندگی کا مختصر عرصہ ہے۔ سمندر کی ساری کہانی مسلسل روانی ہے زندگی بھی مسلسل رواں دواں ہے۔ ''قزاق صدیاں'' وقت کی جبریت کی علامت ہے۔ سمندر کی جھاگ زندگی میں اٹھتے طوفان کی رمز کے طور پر ابھری ہے اور ''پرندے'' ان لوگوں کی علامت ہیں جو زندگی کے سفر میں مسلسل جدوجہد کرتے ہیں۔ ''ہواؤں کے طوفاں'' زندگی کے نشیب و فراز ہیں۔ پر کھلے پانیوں کی مسافت، ایک مسلسل تسلسل ہے جو زندگی کو بہائے لیے جاتا ہے وہ مزید لکھتے ہیں۔

لرزتے ہوئے بادبانوں سے بھی پھیلے ہوئے بادباں ہیں
جہازوں کے پیچھے جہازوں کی لمبی قطاریں
ادھر ڈولتی کشتیوں سے پرے دور صدیوں کے ابھرے ہوئے فاصلوں تک
بھٹکتی ہوئی کشتیاں ہیں
سمندر میں یادوں کی صدیوں کا مسکن
وہی نیلگوں جگمگاہٹ کی اڑتی چکا چوند میں ایک پل کو جھلکتا ہوا اس کا پیکر
وہی اس کی دھن میں بھٹکنے کی صدیاں
وہی لہراتے مستول اور اٹھے لنگر
سمندر کے پیچھے سمندر (۲)

'سمندر کے پیچھے سمندر' گویا زندگی کے مسلسل چکر کی علامت ہے۔'لرزتے ہوئے بادبانوں سے آگے بھی پھیلے ہوئے بادباں انسانی زندگی کا تقاضا ہے جو آگے بڑھنے کے شوق میں جبر و کرب کی ہر منزل سے گزرتا چلا جاتا ہے۔سمندر اجتماعی زندگی کی علامت ہے جس کی مسافت ہر حال میں جاری رہتی ہے'' لہراتے مستول، اور اٹھتے لنگر، انسانی جوکھم کی علامتیں ہیں جو کہیں ختم نہیں ہوئیں۔ زندگی کے بے کنار سمندر میں مستول لہراتے رہیں گے اور لنگر اٹھتے رہیں گے۔نظم ''ایک لمحے کا سمندر'' میں بھی ''پرندے'' اور ''سمندر'' کی علامت کو کمال مہارت سے برتا گیا ہے۔کمال یہ کہ ان کی نظمیں کہیں بھی ابہام کا شکار نہیں ہوتیں لیکن علامتی تہہ داری میں اپنی مثال آپ ہیں انداز دیکھیے:

پرندے کے جو لہروں سے پر دھو رہے تھے ابھی اُڑ گئے ہیں۔
بپھرتی ہوئی تیز روحیں جو بڑھتی چلی آ رہی تھیں۔کنارے سے ٹکرا گئی ہیں۔
گزرتے ہوئے بادلوں کے سبھی قافلے جو رواں تھے ٹھہر سے گئے ہیں۔
ادھر سامنے ایک کشتی جو ساکن تھی اب چل پڑی ہے
کوئی گزرا موسم چمکتی ہوئی دھوپ بن کر مرے دل کے ساحل پہ اترا ہوا ہے
ابھی اک پرندے کا پر ان ہواؤں میں اڑتا کنارے پہ آ کر گرا ہے
ابھی ایک لمحے میں سب کچھ ہوا ہے (۳)

'سمندر' وقت کی علامت ہے جس میں ہر انسان اپنے پر دھو کے رخصت ہو جاتا ہے یعنی وقت کے سمندر میں چند لمحے گزار کر رخصت ہو جاتے ہیں۔ پرندے کا 'پر' دراصل نشانی ہے اس پرندے کے وقت کے سمندر سے پرواز کرنے کی یہ نشانی فنا کا اشارہ ہے جو بتا رہا ہے کہ انسان آتے رہیں گے جاتے رہیں گے کچھ نشانیاں بھی رہ جائیں گی مگر یہ لمحہ جس میں یہ سب کچھ ہوا ہے اب کہاں ہے کھو گیا ہے وقت کبھی ٹھہرتا نہیں ہے نظم کے آخری حصے میں اس حقیقت کو بھرپور انداز سے پیش کیا گیا ہے، لکھتے ہیں۔

یہ سارے مناظر ابھی ایک لمحے کے روشن افق پر میں ایک ساتھ اُبھرے
مگر اب وہ لمحہ کہاں ہے؟
ہر ایک سمت بکھرے مناظر کی حیرانیاں ہیں
ہر ایک سمت نیلا سمندر رواں ہے (۴)

نیلا سمندر وقت کے مسلسل بہاؤ کی گہری رمز کے طور پر آتا جس میں وقت کے کئی لمحے ٹوٹ کر بکھرتے جاتے ہیں وہ ''پر'' جو کسی لمحے میں ٹوٹ کر سمندر کے کنارے پر گرا تھا اس بات کا گواہ ہے کہ وقت کو کوئی روک نہیں سکتا لوگ آتے رہیں گے جاتے رہیں گے اور وقت کا یہ چکر یونہی چلتا رہے گا۔نظم ''سمندری گھونگھے کی آوازیں'' میں سمندری گھونگے کی آواز مرکزی علامت ہے۔شاعر سمندر کے کنارے تنہا بیٹھا ہے جہاں وہ زندگی کے داخل اور خارج کا مشاہدہ کرتا ہے۔''سمندر'' جو وسعتوں کی علامت ہے شاعر اپنے لاشعور سے ماضی کے سمندر تلے دیکھتا ہے

جہاں کئی قومیں مٹ گئی ہیں، جہاز، تہذیبوں کے لئے علامت ہے شاعر ہر جہاز کی تنہا صدا کو اپنے دل میں سنتا ہے۔ انداز یہ ہو جاتا ہے۔

سمندر کے باہر
جہاں ریگِ ساحل پہ بپھری ہوئی سبز موجیں
لرزتی ہوئی شام کی دھوپ کو چھو رہی ہیں
وہیں ایک طرف میں بھی بیٹھا ہوں تنہا
ازل کی صدائیں مرے کان میں گونجتی ہیں
پرانے زمانے کے در کھل رہے ہیں
مجھے ان ہواؤں کی آواز آنے لگی ہے جو پھیلے سمندر کے اس پار سے آ رہی ہیں
مرے دل سمندر کے ساتھی
ذرا ان صداؤں کو سن جو زمانوں کے طوفاں کی ہیں صدائیں
شکستہ جہازوں کے ڈوبے خزانوں کی تنہا صدائیں
ذرا ان صداؤں کو سن جو سمندر کی گہرائی سے آ رہی ہیں
صدائیں جو رُک رُک کے کانوں میں یوں پھیلتی ہیں جیسے کہیں
کشتیوں کے لرزتے ہوئے بادباں کھل رہے ہوں
مرے دل
یہ ساری صدائیں تو دامن میں بھر لے کہ کوئی تجھے جب
تری آرزوؤں کے ساحل پہ پھیلی ہوئی ریت پر سے اٹھائے
تو اُس کو مری روح کے ہر سمندر کی آواز آئے
اور اُس کے بھی کانوں میں خاموشیاں گونج اٹھیں (۵)

سمندر کی علامت کی توضیح کے سلسلے میں ان کی دوسری نظموں ''ایک سمندر کے پرندے''، ''کہاں ہے سمندر''، ''مستول اور ستارا''، ''تیس پرندے'' وغیرہ کو بعد بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ علاوہ ازیں ان کی منظومات میں 'ہوا' اور ''آندھی'' کی علامت بھی کثرت سے استعمال ہوئی ہے۔ مثلاً ''نظم'' قسم کھجوروں کے جھنڈ کی.....'' میں ''ہوا'' کی علامت ملاحظہ ہو۔

قسم کھجوروں کے جھنڈ کی
جب ہواؤں میں ناچتی ہوں اس کی بلند شاخیں
ہر ایک منظر اسیرِ قید مقام بھی ہے
مگر اسی میں چھپی ہوئی بے کرانیاں ہیں

طویل رستے کٹھن مسافت
مسافروں کے لیے مگر راستوں میں کتنی نشانیاں ہیں (۶)

'ہوا' جو کھجوروں کے جھنڈ پر ناچتی ہے گزری کئی کہانیوں کی یاد دلاتی ہیں اس کے بہاؤ میں طویل رستوں کی کٹھن مسافتیں بھی چھپی ہیں اور تباہی و بربادی کی داستانیں بھی 'ہوا' جو چیزوں کو نیست و نابود کرنے کی صلاحیت بھی رکھتی ہے اس علامت کے اس جبر وقہر پر مبنی رنگ کو نظم ''ہوائیں'' میں ملاحظہ کریں جہاں 'ہوا' سرتاپا تباہی و بربادی کی علامت ہے۔ سہیل احمد خاں نے تلمیح کے حوالے سے تباہی و بربادی کے اس قصّے کی طرف بھی اشارہ کیا ہے جس کا ذکر قران کریم میں عاد وثمود کے حوالے سے آیا ہے عاد وثمود کی قومیں ایک طوفانی ہوا کے ذریعے نیست و نابود ہوگئیں۔ ہواؤں کا یہ تسلسل نظم کے آخر تک جاری رہتا ہے۔ تلمیح کے اتصال سے جنم لینے والی اس علامت کا اندازِ ملاحظہ ہو۔

ہوائیں اس کی نشانیوں کو اڑا کے نزدیک لا رہی ہیں
فلک کی حیران وسعتوں سے نظر سے اوجھل مسافتوں سے
اُداس نیلے سمندروں سے ابھر رہی ہیں۔
سفر کی ساری صعوبتوں کی، اجاڑ سنسان راستوں کی گئے زمانوں کی بستیوں کی
قدیم قریوں کی داستانیں سنا رہی ہیں۔
عجب آبادیاں تھیں وہ بھی جنہیں ہواؤں کی یورشوں نے اجاڑ ویران کر دیا ہے۔
عجیب قصبے، ہوائیں جن پر عذاب بن کر بکھر گئی ہیں۔
ہوا کے طوفان میں ہوائیں، اجاڑ قصبے، فلک کی وسعت، گئے مسافر
ہوائیں سب کو نظر سے اوجھل بھی کر رہی ہیں نظر کے آگے بھی لا رہی ہیں
ہوا کے البم میں ہجرتوں کی طویل صدیاں
بگڑ کے بنتے، اُجڑ کے بستے ہوئے زمانے، نئی بشارت
ہوائیں اس مہک کا پرچم اُڑا رہی ہیں
مرے دریچے کے پار پت جھڑ کی سلطنت ہے۔
ہوائیں پتے گرا رہی ہیں!! (۷)

ان کے مطابق ہوائیں ہلاکت خیزی اور زرخیزی کا تصور رکھتی ہیں ہوا کے دامن میں دونوں رُتیں ہیں بے رحم ہوائیں جو ہلاکت خیزی کی علامت یں اور نرم ولطیف ہوائیں جو زرخیزی کا باعث ہیں۔ قدیم قصبوں کو ہوا کا قاتل روپ اجاڑ چکا ہے۔ جب کہ یہی ہوا بارش کی بوندوں سے لدی ہوتی ہے تو کھیتوں اور باغوں کی افزائش کا باعث بن جاتی ہے۔ ہوا کا یہی روپ آندھی میں ڈھلتا ہے تو تباہی لے آتا ہے۔ نظم ''آندھیاں'' میں ''آندھی'' وقت کے تسلسل کی علامت ہے یہ آندھیاں انسان کو ایک موہوم زمانے کی فضا میں لے جاتی ہیں۔

آندھیاں مردہ قصبوں کی مٹی اڑاتی ہوئی
آندھیاں رفتگاں کی صداؤں کو نزدیک لاتی ہوئی
موسموں کی بھی شدتوں کی امیں ہر تغیر، تبدل کا اڑتا نشاں
ایک راستے کی مٹی کسی دوسرے رستے پر بچھاتی ہوئی
سرد قبروں سے اُڑتی ہوئی خاک سب زندہ لوگوں کے چہرے پہ ملتی ہوئی
ہر مسافت کی حد پہ کھڑی آندھیاں
ہر سفر کی حدوں سے بڑی آندھیاں
ان کے طوفان میں شہر، قریے، مکاں زندگی کا جنوں
ان کی لہروں میں ٹوٹی چھتیں سرخ شیشوں کی کرچیں مکانوں کے بجھتے ہوئے در
خرابوں سے اٹھتی ہوئی صدا، خاک میں خاک ہوتی ہوئی صدیوں کی اونچی کڑک
کس کو معلوم ہے آندھیوں کے تلاطم میں بہتی ہوئی خاک
کن راستوں، کن مکانوں•، مکینوں، درختوں، ہواؤں کی آواز ہے
کس کو معلوم ہے خاک سے اب جو پیکر بنیں ان میں کن علاقوں کی مٹی ملے۔
خاک کو اضطراب مسلسل میں رکھتی ہوئی آندھیاں
زندگی کے ہر ایک قہر کی زندگی آندھیاں (۸)

''خاک'' انسانی وجود کا استعارہ ہے اور ''آندھیاں، وقت کی مسلسل گردش جس میں انسان ہر لمحہ گرفتار رہتا ہے۔

سہیل احمد کی علامتوں میں فطرت کا اظہار بہت نمایاں ہے۔ یہ علامتیں کہیں ''سمندر''، ''تالاب، تو کہیں ''گلابوں'' میں مہکتی ہوئی ملتی ہیں جن کی خوشبو سے ان نظموں کی فضا بھی مہکتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ ان کی شعری علامتوں میں تہذیب وفطرت کی رنگا رنگی ہے۔ نظم ''گلاب کا پھول'' میں ''گلاب کا پھول'' ایک خوبصورت علامت ہے جو زندگی کی نشاط بن کر جھلک رہا ہے۔ زندگی کی مسلسل جدوجہد میں گلاب کا پھول امیدوار جائیت کی علامت ہے نظم ملاحظہ کریں۔

گلاب کا پھول، موسموں کے سمندر میں کھلا ہوا بادبان ہے پھڑ پھڑا رہا ہے
گلاب کا پھول، جلتے لمحوں، تپش کی لہروں میں گم زمانوں میں سائباں کی طرح کھڑا ہے
گلاب کا پھول سبز خوابوں کی سرزمیں میں چراغ بن کر چمک رہا ہے
کبھی دریچوں بھرے مکانوں سے زندگی کا نشاط بن کر چھلک رہا ہے
کبھی صعوبت بھرے سفر کی حدوں پہ منزل بنا ہوا ہے
کبھی منازل پہ ٹھہرے لوگوں کو اک سفر کا عجیب رستہ دکھا رہا ہے

پرانے شہروں کے بام اور پرا گی ہوئی گھاس کے سمندر سے جھانکتا ہے
زمین مُردہ پہ زندگی کے نمو کا پرچم بنا ہوا لہلہا رہا ہے
گئے زمانے کی ہر صدا، آنے والے موسم کا ہر ترانہ گلاب کی سرخ دھڑکنوں میں لرز رہا ہے
گلاب کا پھول، کن زمانوں کی سرحد سے نجانے کیسے
مری تمنا کے سرد رستوں پہ جھک گیا ہے (۹)

نظم 'سفید گلاب'' میں بھی گلاب اسی طرز کی ایک علامت ہے۔نظم ''مستول اور ستارا'' میں ستارا عدم تحفظ کی علامت ہے۔ شاعر شام کے ڈھلتے ہوئے اپنی گزری ہوئی زندگی آنے والے موسموں کو سوچتا ہے تو اسے خیال آتا ہے کہ اکیلے بیٹھنے سے بہتر ہے کہ کسی دوست ساتھی کو دیکھوں اسی سوچ کے ساتھ اس کی نظر سامنے پھیلے سمندر میں کھڑے گم سم جہازوں کی طرف اٹھتی ہیں تو جو منظر اسے نظر آتا ہے وہ کچھ یوں ہے:

اس جھٹپٹے میں شام کا تارا کسی مستول کے اوپر چمکتا
اس طرح مستول سے پیوست تھا۔ جیسے اسی کا کوئی حصہ ہو
بہت میں بھی سمندر میں پھرا ہوں
بارہا طوفان میں لمبے سفر میں شام کے تارے کو دیکھا ہے
مگر اس وقت اس مستول سے چمٹا ہوا اور وہ اس طرح تھا
جیسے بچہ گھر سے پہلی مرتبہ نکلے (۱۰)

بچے کا پہلی بار گھر سے نکلنا ایک خوبصورت امیج ہے بچہ کو جس نے دنیا کو پہلی بار دیکھا ہے دنیا کا شور ہنگامہ اس کے نازک وجود کو سہا دیتا ہے اور وہ ساتھ چلنے والے سے چمٹ کر چلتا ہے۔ زمانے کے راستے ڈر اور خوف کو اجاگر کرتے ہیں۔ شاعر کے داخل کا اکیلا پن اس منظر میں کشش رکھتا ہے۔ ساحل کے کنارے شام اداسی اور تنہائی کا شدید احساس کسی ساتھی کی تلاش اور پھر اچانک مستول سے چمٹے ہوئے تارے کو دیکھ کر جو احساسات شاعر کے دل میں ابھرتے ہیں وہ اور داخل میں رونما ہونے والے احساس عدم تحفظ کو اجاگر کرتے ہیں۔

نظم، پرندوں کی بولی'' میں پرندے مختلف کرداروں کے حوالے سے انسانوں کی علامت ہیں اور ''تالاب'' انسانی زندگی کی علامت ہے جس میں مختلف معاشرتی اور اقتصادی طبقے، مفکر، تخلیق کار سیاست دان، آمر، اور بے نام خلق خدا بستی ہے۔ یہ سب پرندوں کی طرح اپنی اپنی بولی بولتے ہیں۔ دنیا کے یہ سارے پرندے جانے کون کون سے زمانوں کے پھیلے ہوئے فاصلوں سے ابھرتے ہیں اور تالاب کے پاس آ کر اترتے ہیں اور بولتے ہیں شاعر ان سب پرندوں کی بولیوں کو سنتا اور اپنے اندر اتارتا ہے۔ ہر صدا دور سے آنے والی صدا ہے اس لئے کہ اس میں کئی نسلوں کا تجربہ شامل ہے جو شاعر کے لاشعور میں موجود ہے۔

نجانے کہاں سے زمانوں کے پھیلے ہوئے فاصلوں سے
ابھرتے ہیں، تالاب کے پاس آ کر اترتے ہیں اور بولتے ہیں

وہاں میں نے ان سب پرندوں کو اونچے درختوں پہ تالاب کے پانیوں پہ کناروں پہ ہر سمت دیکھا
وہ اڑتے ہوئے ہنس، چڑیاں، وہ جھنکارتے مور، آتے زمانوں کے قاصد کبوتر
اور ایسے پرندوں بھی جو اپنے ناموں کو بس آپ ہی جانتے ہیں
وہ نادر صدائیں کہ جیسے وہ صدیوں کے اسرار کھولتی ہوں
وہ چہکار جیسے وہ ان دیکھی دنیاؤں سے آ رہی ہے
پرندوں کی بولی کے اسرار سیکھتے دن کٹا، رات گزری
خزاں کے مسافر اُڑے، پھر بہاریں، خزائیں پلٹ کر کئی بار آئیں
بہت دن ہوئے ہیں میں نے جب ان پرندوں کو دیکھا
اور اب اُن پرندوں کی غیبی صداؤں کے اسرار کو چارسُو دیکھتا ہوں
مجھے علم ہے ہر صدا، دور سے آنے والی صدا ہے۔
ہر اک شے میں کوئی اشارت نہاں ہے (۱۱)

دن رات کبھی تلخ اور کبھی شیریں حالات سے شاعر بخوبی واقف ہے ہر حقیقت اپنا ادراک چاہتی ہے وہ اس حقیقت سے واقف ہے کہ زندگی کی دوڑ میں عروج و زوال ہیں کیا معنی رکھتے ہیں؟ وہ زندگی کے پست و بلند سے واقف ہے۔ حمید نسیم اس حوالے سے اپنے مضمون ''نئی علامتوں اور نئے لہجے والا شاعر سہیل احمد خان، میں لکھتے ہیں:

''شاعر انسانی زندگی کے پست و بلند سے عیش و ملال سے فتح مندی کے لمحوں اور اور زبوں حالی کی تیرہ راتوں سے پوری طرح آگاہ ہو چکا ہے اور اس پر وہ دائمی صداقت آشکار ہو چکی ہے جو زندگی کی کار گاہ سے اس سارے تماشے سے دور ہٹ کر دل و جاں کی تہذیب مظہر اور تقدیس کے مراحل طے کر کے ہی جانی جا سکتی ہے۔

مجھے علم ہے ہر صدا دور سے آنے والی صدا ہے
ہر اک شے میں کوئی اشارت نہاں ہے

یہ اشارت ایک سمت اختیار کرنے کے سارے ممکنات اور نتائج کو دل کی آنکھ کے سامنے لا رکھتی ہے کہ ہر صدا دور سے آنے والی صدا اس لئے ہے کہ ہزاروں نسلوں کے تجربوں کا ماحصل ہے جو شاعر کے لاشعور میں موجود ہے اور کبھی کبھی اس لاشعور میں موجود ماحصل سے اتنا علم شعور کی سطح پر ابھر آتا ہے کہ زندگی کے سارے پست و بلند ساری ضدیں جو اس کی سطح پر سراسر حقیقت ہیں۔ مگر ان میں سے ہر حقیقت یہ بھی کہہ رہی ہے کہ مجھے روح کی سطح عرفان سے دیکھو تو میں محض ایک مطلق قوت کی قدرت کی ایک جھلک ہوں اصل حقیقت وہ مطلق قوت ہے جو اس کی ہر حقیقت کل کے جمال کی ایک پل بھر کی نمود ہے۔ کل کی جو ایک ناقابلِ تقسیم وحدت ہے۔ اس میں نہ راج ہنس ہیں۔ نہ چڑیاں نہ تالاب نہ زمہریر نہ معتدل موسم وہاں

صرف مطلق ہے۔ Eternity ہے جسے نہ کوئی دیکھ سکتا ہے نہ جا سکتا ہے۔" (۱۲)

سہیل احمد کی نظم میں "پرندے" عام پرندے نہیں ہیں بل کہ اکثر مقامات پر یہ مہاجر پرندے ہیں جو نادیدہ ہستیوں کی طرف اُڑتے جاتے ہیں نظم "پرندے" میں ان "مہاجر پرندوں" کے زمانی اور مکانی ماحول کو بیان کیا ہے۔ یہ 'پرندے' انسان کی زندگی کی علامت ہیں جو مسلسل سفر میں ہے پرندوں کا گروہ جو فلک در فلک ملکوں ملکوں اڑتے ہیں۔ شام ہو یا سحر ان کا سفر جاری رہتا ہے۔ انسان بھی مسافر ہے جو کسی ایک منزل پہ نہیں ٹھہرتا بل کہ یہ دنیا اس کے لیے سرائے خانہ ہے جہاں کچھ پل کے قیام کے بعد اسے اگلی منزلوں کی طرف کوچ کر جانا ہے۔

زمانوں کی سرحد پہ صدیوں سے اڑتے پرندے
فلک در فلک جستجو، دھوپ، نیلاہٹیں، جلتے موسم
کہیں دور کی بستیوں، خُشکیوں، ساحلوں اور ملکوں کے لمبے سفر سے تھکے

یہ مہاجر پرندے
گزرتے مناظر کا ہر قافلہ ان کی آنکھوں کے رستے سے ہو کر گیا
گزری صدیوں کا ہر واقعہ، دھول یا نقش بن کر پروں پر جما
موسموں کا ہر اک نقش ان کی اڑانوں کی ٹھنڈی ہوا سے جلا پھر بجھا
شام کا وقت ہو یا سحر اک مسلسل سفر
رزق کی جستجو ہو یا بے مقصدیت کا پھیلا خلا
بارشوں، آندھیوں، اور ہوا میں نئے موسموں کی خبر لے کے آتے ہوئے
آنکھ کی سرحد سے پرے کوئی نادیدہ بستی دکھاتے ہوئے
بستیوں، ساحلوں، جنگلوں کے فلک پر اڑے جا رہے ہیں
ہزاروں، پراسرار قصبوں سے لاکھوں کی تعداد میں غول در غول اٹھتے ہوئے
اس زمانے کے کنارے کنارے پہ زائر پرندے اُڑے جا رہے ہیں (۱۳)

"پرندے" کی علامت "ہنس نامہ"، "راج ہنس"، "پت جھڑ کے مہاجر"، "ایک پرندے کی موت" میں بھی دیکھی جا سکتی ہے۔ نظم "پت جھڑ کے مہاجر" میں پرندے فنا کی علامت ہیں جو زندگی میں موت وحیات کے تسلسل کی حقیقت کو واضح کرتے ہیں۔ "ایک موسم کے دوستوں کے لئے نظم" ایک اہم علامتی نظم ہے۔ "کونجیں"، "تالاب"، "شجر"، بظاہر فطرت کے مظاہر ہیں مگر بہت گہری علامتی معنویت کے حامل ہیں۔ "کونجیں" ہمدرد و غمگسار ساتھی کی علامت ہیں جن سے شاعر ہر بات کہتا ہے ہر سال وہ مہمان بن کر آتی ہیں اور شاعر کو ہجرت کے رستوں کے داستاں سناتی ہیں دور دیس کے پانیوں کی باتیں نئے پانیوں اور نئے علاقوں کی باتیں بتاتی ہیں:

وہ کونجیں جو ہر سال آتی ہیں اس مرتبہ ان کے آنے کی کوئی خبر ہی
نہیں ہے

وہ ہر سال آتی ہیں مہمان بن کر
وہ تالاب کے پاس کرتی ہیں آ کر بسیرا
وہ ہر سال ملتی ہیں مجھ سے
میں ہر بار کرتا ہوں کونجوں سے باتیں
وہ مجھ کو سناتی ہیں ہجرت کے رستوں بہت دور کے سرد شہروں
نئے پانیوں اور نرالے علاقوں کی سب داستانیں
میں ہر بار ان کو بتاتا ہوں اس سال کیا کچھ ہوا ہے
میں اس بار بھی ان سے باتیں کروں گا (۱۴)

'نئے پانی' نئے کلچر اور نئی تہذیب کی علامت ہیں۔'نرالے علاقے' نئے ثقافتی مراکز کی علامت ہیں۔ شاعر ان کونجوں کو جو دیس دیس سے آنے والے مسافروں کی علامت ہیں۔ ہر بات کہتا ہے ان کی باتیں سنتا ہے مگر اس سال کونجیں نہیں آئیں اور شاعر کے پاس کرنے کے لئے بہت سی باتیں ہیں۔ آگے چل کر لکھتے ہیں۔

میں ان کو بتاؤں گا تالاب کے پاس بوڑھا شجر جو زمانوں سے چڑیوں کا مسکن تھا
اب گر چکا ہے
وہ لڑکی جو اپنی اداسی میں تالاب کے پاس پہروں بھٹکتی تھی اب دوسرے
شہر کو جا چکی ہے۔
جہاں صاف میدان تھا اب وہاں کچھ نئے گھر بنے ہیں (۱۵)

'بوڑھا شجر' جو اب گر چکا ہے دراصل صنعتی معاشرے کے جبر کی علامت ہے شہروں کی توسیع کے لئے درختوں کو کاٹنا معمول کا حصہ بن چکا ہے شاعر اپنا دکھ کونجوں کے ساتھ بانٹنا چاہتا ہے۔'بوڑھے شجر' کا گرنا ایک اہم خبر ہے جو وہ انہیں سنانا چاہتا ہے۔ وہ لڑکی تغیر کی علامت ہے لوگ جو گاؤں چھوڑ کر شہروں میں منتقل ہو رہے ہیں اس کا رنج ابھر کر سامنے آتا ہے۔ صاف میدان کی جگہ پختہ گھروں نے لے لی ہے اعلیٰ روایت کی جگہ مادی ترقی اور خوش حالی نے لے لی ہے۔ ان کی نظموں میں فرد کی داخلی کش مکش کا اظہار ہے جو انھیں مادی سہاروں کی ناپائیداری کا احساس دلا کر روحانی سرچشموں کی باز آفرینی کی طرف متوجہ کرتی ہے۔ نظم ''شہر میں صبح'' میں ''کبوتر'' کی علامت ان کے عہد کا نوحہ ہے۔ کبوتر امن کی علامت ہے جو ناپید ہے۔ ہر طرف بکھرا خون اس عہد کا المیہ ہے:

مدت کے بعد صبح کو دیکھا ہے آسماں
نیلے افق پہ خون کے چھینٹے میں جابجا
بستی کے آسماں پہ کبوتر کہیں نہیں (۱۶)

نظم ''جاپان میں مہاجر پرندوں سے ملاقات'' میں شاعر پرندوں میں ازلی مسافرت کو اپنے حالات پر منطبق کرتا ہے جو خود بھی رزق کی تلاش میں مہاجر ہوا ہے۔ یہ مہاجرت دراصل معاشی تگ و دو کے نتیجے میں ہر شخص کا

مقدر بن چکی ہے۔ یہ ''پرندے'' سفر کی علامت ہیں جو انسان اور پرندوں کو یکساں درپیش ہے۔

''ارے'' یہاں بھی''
میں جھیل کے پانیوں میں سورج کی ترچھی کرنوں کو دیکھتا تھا
تبھی اچانک اس آئینے میں تمہاری پرچھائیں تھرتھرائی
جو مڑ دیکھا تو تم اُدھر جھیل کے کنارے اُتر رہے تھے
مرے لبوں پہ تھی مسکراہٹ
کہ جیسے پردیس میں اچانک کسی شناسا کو دیکھ کر کوئی مسکرائے
ہلائے بازو
تمہیں بلایا
تم اپنی ازلی مسافرت میں اُسی طرح گم
''ارے، کوئی بات چیت بھی ہو''
میں اک ادارے کے ساتھ اپنے معاہدے کے چمکتے کاغذ پہ
دستخط کر کے اس جگہ ہوں
مجھے خوشی ہے کہ اپنی ہستی کے عہد نامے کی پاس داری کو تم یہاں ہو (۱۷)

''ہجرت''، سہیل احمد کی نظموں میں ایک اہم علامت ہے جو کبھی مہاجر پرندوں کی صورت میں نظر آتی ہے تو کبھی انسانوں کے روپ میں جو وطن میں رہ کر بھی وطن کی تلاش میں ہے۔ یہ ہجرت اس کرب کو اجاگر کرتی ہے جو اپنے ہی وطن میں اجنبیت کے احساس کو ابھارتی ہے نظم ''سفر در وطن'' میں لفظ ہجرت، علامتی حوالے سے اسی کرب کا عکاس ہے۔

سدا مہاجر
اپنا گھر گٹھری میں باندھا
گٹھری رکھی سر پر
گٹھری کھولی اور لگایا خیمہ
پھر سے چلیں ہجرت کی ہوائیں
ہم نے اٹھایا خیمہ
عمر کٹی الجھن ہیں
اپنے وطن کو کھوج رہے تھے
ہم اپنے ہی وطن میں (۱۸)

ہجرت نئے شہروں اور ملکوں کی طرف سفر کرنا بھی ہے یہ سفر پرندے بھی کرتے ہیں اور انسان بھی دوسری

تہذیبوں اور ثقافتوں نئی منزلوں کی طرف سفر بھی ہجرت ہے۔مگر اپنے ہی وطن میں وطن کی کھوج انتہائی دکھ کا اظہار کرتی ہے یہ وہ ہجرت ہے جو اجنبیت کا شدید احساس پیدا کرتی ہے جس سے اس عہد کا ہر شخص دوچار ہے۔

آئینے کی علامت بھی ''راہ کی نشانیاں'' میں جابجا استعمال ہوئی ہے اس سلسلے میں ''سب آئینے گم ہو گئے''، آئینے''، آئینہ' وغیرہ کو دیکھا جا سکتا ہے آئینہ شفافیت کی علامت ہے جسے گرد دھندلا دیتی ہے۔نظم ''سب آئینے گم ہو گئے'' میں آئینہ بے حسی کی گرد سے دھندلا جاتا ہے۔''آئینہ'' میں 'آئینہ' بے حسی کی علامت ہے جس کے سامنے عکس بنتے مٹتے رہتے ہیں مگر وہ اپنی حیرتوں میں گم رہتا ہے۔

آئینہ کچھ نہیں بولتا
حیرتوں کے جہاں میں
عجب گم ہوا۔۔۔
عکس بنتے رہیں
عکس مٹتے رہیں
اپنے رازوں کے نشے میں مدہوش سا
سطح پُر آب سی
زندگی خواب سی
جس کی حیرت سے باہر نکل نہ سکا (۱۹)

ان کے ہاں 'مسافر' کی علامت بھی استعمال ہوئی ہے کبھی رزق کی تلاش میں سفر درپیش ہے تو کہیں بہتر علاقوں میں سکونت سفر کا باعث ہے۔گھروں سے نکلنے والے مسافر واپسی کی کوشش میں زندگی بسر کر دیتے ہیں مگر جو مسافرت قسمت میں لکھ دی گئی ہے۔شاید کبھی ختم نہ ہو نظم واپسی کا گیت میں 'سفر' اور 'مسافر' کے علامتی رنگ دیکھیے۔

خزاں کی اک شام، جب ہواؤں کی سیٹیوں میں گھلا ہوا کرب پورے
قصبے میں گونجتا ہو۔
زمیں پہ پتوں کے ڈھیر، گزرے دنوں کے انبار لگ رہے ہوں
فضاؤں میں شام نے عجب سرخیاں بکھیری ہوں چاروں جانب
خزاں کی ایسی ہی شام ہمارے لمبے سفر کا رستہ
ہمارے قصبے کی رہ گزر سے ملے گا (۲۰)

سفر مسلسل
نجانے ہم دائروں کی گردش ہیں
یا کسی سیدھ کا ادھورا سا مرحلہ ہیں

یہی خبر ہے
بس اک سفر ہے
ہمارے گھروں کی یادیں
دنوں سے برسوں میں
اور صدیوں میں
پھیلتی ہیں (۲۱)

سہیل احمد خان کی شعری علامتیں گہری معنویت کی حامل ہیں۔ پہلے شعری مجموعے میں ''پرندے''، ''تالاب''، ''ستارہ''، ''ہوائیں''، ''شجر''، ''آندھیاں، ہنس''، ''گلاب، سمندر وغیرہ کی علامتوں کا بھرپور استعمال نظر آتا ہے جب کہ دوسرے مجموعے ''راہ کی نشانیاں'' میں عصری حسیّت کا احساس فرد کی داخلی کش مکش کا غمز ہے۔ اس مجموعے کی علامتوں میں 'پرندے'، 'ہجرت'، 'کبوتر'، 'آئینہ'، 'مسافر'، 'سفر'، 'تالاب' وغیرہا کی خوبصورت علامتیں موجود ہیں۔ ان علامتوں میں داخلی تنہائی اور احساس کم مائیگی نمایاں ہے۔ ان کی آواز ایک دائمی گونج کی حامل ہے جو اندر اترتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ انہوں نے مبہم علامتیں استعمال نہیں کیں بل کہ اپنے منفرد انداز سے علامتیں تشکیل دی ہیں۔ اور گویا روایت سے الگ اپنی راہ نکالی ہے۔ یوں ان کی علامتیں انفرادی نوعیت کی ہیں اور ان کے ہم عصروں سے یکسر منفرد اور وسعت کی حامل قرار دی جا سکتی ہیں۔

---

## حوالے و حواشی:

۱۔ سہیل احمد خان، ڈاکٹر: **ایک موسم کے پرندے**، لاہور: دستاویز مطبوعات، ۱۹۹۳ء، ص: ۳۱، ۳۲
۲۔ ایضاً ، ص: ۳۲
۳۔ // ، ص: ۳۳
۴۔ // ، ص: ۳۴
۵۔ // ، ص: ۳۵، ۳۶
۶۔ // ، ص: ۱۲
۷۔ // ، ص: ۱۳، ۱۴
۸۔ // ، ص: ۱۶، ۱۷
۹۔ // ، ص: ۱۸، ۱۹
۱۰۔ // ، ص: ۲۵
۱۱۔ // ، ص: ۴۲

۱۲۔ حمید نسیم، **کچھ اور اہم شاعر**، کراچی،: فضلی سنز، س۔ن، ص: ۱۳۷

۱۳۔ سہیل احمد خان: **ایک موسم کے پرندے**، ص: ۴۳،۴۴

۱۴۔ ایضاً ، ص: ۵۱،۵۲

۱۵۔ ایضاً ، ص: ۵۲

۱۶۔ سہیل احمد خاں، **راہ کی نشانیاں**، لاہور: قوسین، ۲۰۰۱ء، ص: ۵۱

۱۷۔ ایضاً ، ص: ۴۳

۱۸۔ // ، ص: ۵۸

۱۹۔ // ، ص: ۵۳

۲۰۔ // ، ص: ۸۰

۲۱۔ // ، ص: ۸۲